R. No. 2166/57

Regd. No. L. 444

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

ٹیلی فون ۔ ۔۔
قیمت ... روپے سالانہ
فی پرچہ ... پیسے

جلد ۲۴ - شمارہ ۳۶	ایڈیٹر: آل احمد سرور	۲۲ ستمبر ۱۹۶۵ء

اداریہ

جوہر مردانہ دکھانے کا وقت

چکبست کا ایک شعر ہے ۔

مصیبت میں بشر کے جوہر مردانہ کھلتے ہیں
مبارک بزدلوں کو گردش قسمت سے ڈر جانا

ہم پاکستانی جارحیت سے مقابلہ کر ہی رہے تھے کہ چین نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دھمکیاں دینی شروع کر دی ہیں اور بات کا بتنگڑ بنا کر ہمیں ایک طرح کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ چین ایک بار پہلے ہم پر حملہ کر چکا ہے اور اب ہمارے مخالف پاکستان سے اس کا ساز باز بالکل واضح ہو چکا ہے۔ پاکستانی جارحیت کا ہم مناسب جواب دے رہے ہیں اور اگر ضرورت پڑی تو چینی حملے کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ اس وقت سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ ملک میں مکمل اتحاد اور اتفاق ہو، ہمارے رہنما جو فیصلہ کریں اس پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ ہمارے جوان جو محاذ پر لڑ رہے ہیں اُن کی مدد کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم بچاؤ کے فنڈ کے لیے چندہ دیں، جوانوں کے لیے خون دیں اور ان کی سہولت اور آرام کے لیے تحفے بھیجیں ۔ دوسرا طریقہ مدد کا یہ ہے کہ زندگی کے سارے کام خوش اسلوبی، اتحاد اور ڈسپلن کے ساتھ چلیں تمام فرقوں میں مکمل اتحاد رہے، سب اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں اور اس کے ساتھ دفاع کے کاموں میں بھی جس حد تک ہو سکے مدد کریں۔ ایک طرف ہمیں پوری طرح چوکنا رہنا ہے تاکہ دیش کی حفاظت کا فرض پوری طرح ادا ہو سکے دوسری طرف اس کا بھی خیال رکھنا ہے کہ کوئی افواہ بھی اور بے جا جوش کی وجہ سے عام شہریوں کو پریشان نہ کرے اور ان پر بے جا شبہ نہ کرے۔ اس نازک وقت پر محض جوش سے کام نہیں چلتا۔ ہمیں بڑے استقلال کی ضرورت ہوگی۔ جیسا کہ ہمارے وزیر دفاع نے کہا ہے لڑائی میں اتار چڑھاؤ ہوتے ہی ہیں۔ اپنے عقیدے پر مضبوطی سے جمے رہنے اور مستقل مزاجی سے کام لینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم جن اصولوں کے بچاؤ کی خاطر لڑ رہے ہیں، ان پر ہر حال میں قائم رہیں اس وقت دراصل پاکستان اور چین نے ہمیں نہیں جمہوریت اور سیکولرزم کو چنوتی دی ہے۔ ہمیں دکھانا ہے کہ جمہوریت اور سیکولرزم میں بڑی طاقت ہے اور ان اصولوں کے ماننے والے ہر جارحیت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ چین نے اس موقع پر جبکہ ہم پاکستانی جارحیت کا مقابلہ کر رہے تھے، ہم سے چھیڑ چھاڑ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ جمہوریت اور سیکولرزم کے اصولوں سے دراصل اسے بھی خوف ہے اور وہ ان اصولوں کو پامال کرنا چاہتا ہے۔ ہم ان اصولوں کو کسی حال میں پامال نہ ہونے دیں گے اور ان اصولوں کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے اس ملک کا ہر شہری خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، ہندی بولنے والا ہو یا اردو بولنے والا، کانگریسی ہو یا سوشلسٹ یا کمیونسٹ یا آزاد خیال، شمال کا رہنے والا ہو یا جنوب کا، سوشلزم کا حامی ہو یا مخلوط معیشت کا، اس وقت اپنے اختلافات کو نظر انداز کر کے ملک کی حفاظت کے لیے، اس کی عزت اور

اس شمارے میں

ناموس کو برقرار رکھنے کے لئے اور اس کی سالمیت کی بقا کے لیے ایک ہے۔ مسئلہ کشمیر کا یا زمین کے ایک حصے کا نہیں، مسئلہ یہ ہے کہ جن اخلاقی اصولوں کی، جس جمہوریت کی، جس سیکولرزم کی ہم علمبرداری کر رہے ہیں ان سب کا حق یہ ہے کہ ان کی خاطر ہم جب تک ضرورت ہو، نظم و ضبط کے ساتھ، اور کمر کس کے، ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہیں۔ ہمارے ملک کے جوہر مردانہ کی آزمائش ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم آزمائش میں پورے اتریں گے۔

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے ادبی انعامات

راجستھان ساہتیہ اکاڈمی نے فیصلہ کیا ہے کہ امسال ۱۹۶۵-۶۶ء کے اکاڈمی انعامات بہترین کتابوں پر مندرجہ ذیل طریقہ سے دیے جائیں۔ اس کے لیے راجستھان کے ادیب و فنکار اپنی معیاری تخلیقات دفتر اکاڈمی میں مندرجہ ذیل شرائط کے تحت ارسال فرمائیں۔ یہ تخلیقات ۳۰ رنومبر تک پہنچ جانی لازمی ہیں۔

ہندی

(الف) ڈرامہ (کسی) ۵۰۰ روپیہ

(ب) تنقید ۵۰۰ "

سنسکرت

(الف) شاعری (مکمل کاویہ) ۵۰۰ روپیہ

(ب) نثر ۵۰۰ "

راجستھانی

(الف) ڈرامہ مکمل یا مجموعہ جس میں کم سے کم پانچ یکانکی ہوں ۵۰۰ "

(ب) ناول یا کہانی کہانیوں کے مجموعے میں کم سے کم نو کہانیاں ہوں ۵۰۰ "

اردو

(الف) ڈرامہ مکمل ۵۰۰ "

(ب) تنقید ۵۰۰ "

متفرق

(الف) ادب اطفال ۵۰۰ " (ب) سوانح حیات ۵۰۰ "

شرائط

۱۔ گزشتہ تین سالوں میں یعنی ۳۰ نومبر ۱۹۶۲ء سے ۳۰ نومبر ۱۹۶۵ء تک شائع شدہ یا تصنیف کی گئی کتاب ہی مقامی مقابلے کے لیے منظور کی جائے گی۔ اکاڈمی سے ایک بار انعام یافتہ کتاب یا مسودہ کو دوبارہ مقابلے کے لیے منظور نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ چھپی ہوئی کتابوں یا مسودوں کی چار چار کاپیاں دفتر اکاڈمی میں بھیجنی لازمی ہیں۔

۳۔ کسی ایک سال میں ایک صنف پر انعام یافتہ ادیب ایک سال کے فرق سے اسی صنف میں اپنی تخلیق نہیں بھیج سکے گا۔

۴۔ مقابلے میں آئی ہوئی کتابوں کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ قلمی مسودوں کی تین کاپیاں لوٹا دی جائیں گی۔

۵۔ مقابلے کے لیے بھیجی جانے والی کتابیں اوریجنل، تخلیقی اور معیاری ہونی چاہئیں۔

۶۔ اگر کوئی دو یا زائد کتابیں مقابلے میں برابر رہیں گی تو انعام کی رقم مصنفوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔

۷۔ مقابلے میں آئی ہوئی کتابوں میں اگر ایک بھی کتاب انعام کے قابل نہ ہوئی تو انعام نہیں دیا جائے گا۔

۸۔ انعامات کے متعلق آخری اور قطعی فیصلہ راجستھان ساہتیہ اکاڈمی کا ہوگا۔

مزید تفصیلات کے لیے دفتر سے خط و کتابت کریں۔

منگل سکسینہ

(ادبی سکریٹری راجستھان ساہتیہ اکاڈمی، اودے پور)

پی۔ای۔این کی طرف سے دو انتخابات شائع کرنے کا اعلان

پی۔ای۔این کی مجلس عاملہ نے اپنی ۲۷ مئی ۱۹۶۵ء کی میٹنگ میں پی۔ای۔این کے ممبروں کی تخلیقات پر مشتمل دو انتخابات شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک انتخاب میں نظمیں اور دوسرے میں مختصر افسانے شامل کیے جائیں گے۔ ان انتخابات کے لیے صرف وہ نظمیں اور افسانے قبول کیے جائیں گے جو انگریزی میں لکھے یا انگریزی میں ترجمہ کیے گئے ہوں۔ ترجمے کی صورت میں اصل نظم یا افسانہ بھی روانہ کیا جائے۔ کوئی نظم ایک سو پچاس سطروں سے اور افسانہ پانچ ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔ مسودے صاف ٹائپ کیے ہوئے ہوں اور مندرجہ ذیل پتے پر ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۵ء تک پہنچ جائیں۔

پی۔ای۔این سنٹر

تھیوسوفی ہال۔ ۴۰۔ نیو میرین لائنز۔ بمبئی ۱

(دی انڈین پی۔ای۔این)

کشمیر میں قدیم قلمی کتابوں اور دستاویزوں کے مائیکرو فلم

سری نگر۔ یہاں ریاستی محکمہ آثار قدیمہ نے ایک پنج سالہ منصوبہ تیار کیا ہے جس کے تحت تاریخ کشمیر کے متعلق پرانی سنسکرت، عربی اور فارسی کتابوں، کاغذات اور دستاویزوں کے مائیکرو فلم حاصل کیے جائیں گے۔

قرون وسطیٰ میں کشمیر فارسی زبان، ادب اور شعر کا ایک مشہور مرکز تھا اور اس کو ایران صغیر (چھوٹا ایران) کہا جاتا تھا۔ ریاستی محکمے کے پاس جو قدیم فارسی، عربی اور سنسکرت کے قلمی نسخے محفوظ ہیں ان کے مائیکرو فلم تیار ہو رہے ہیں۔

(مورچہ۔ گیا)

نیر اقبال

فورٹ ولیم کالج اور چند مفروضات

فورٹ ولیم کالج کلکتہ انگریزوں کا بڑا اہم ادارہ تھا۔ اس نے انیسویں صدی کی ہندوستانی تہذیبی اور سیاسی زندگی کو بے طرح متاثر کیا تھا۔ یہ پہلا مرکز تھا جہاں سے مغربی تہذیبی اثرات بڑے منظم طریقے سے ملک کے طول و عرض میں پھیلے۔ بدقسمتی سے ابھی تک اس ادارے کے بارے میں بہت کم تحقیق ہوئی ہے اور جو کچھ تحقیق ہوئی بھی ہے وہ اس کے خارجی حالات یا نظم و نسق سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد اور مجموعی کردار کی تحقیقی سطح پر وضاحت کرنے کی ابھی کسی نے کوشش نہیں کی ہے۔ اس سلسلے میں محمد عتیق صدیقی کی تصنیف "گل کرسٹ اور اس کے عہد" کو کسی حد تک سراہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تنہا قابل لحاظ تصنیف ہے جس میں اس ادارے کے تمام پہلوؤں کی تفہیم کی طرف قدم اٹھایا گیا ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد سے مباحث کئے گئے ہیں اور ان کی روشنی میں اس کی مجموعی اور عمومی تصویر تیار کی گئی ہے۔

گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی کا پروفیسر تھا وہ کالج کا پرنسپل نہیں تھا۔ اس بات کو صدیقی صاحب نے ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔ لیکن اس بات کو فاضل مصنف کا کارنامہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ معلومات نئی نہیں ہیں۔ ان سے پہلے متعدد لوگوں نے اس طرف اشارے کئے ہیں پھر بھی یہ پتہ لگا کر کہ گل کرسٹ انتہائی لائق اور ولزلی کا دایاں ہاتھ ہونے کے باوجود کالج کا پرنسپل کیوں نہ بنایا گیا، انھوں نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ بنیادی وجہ کالج کے کردار کے ایک بنیادی نقطہ پر روشنی ڈالتی ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں کوئی خام مواد فراہم نہیں کیا ہے بلکہ مجسمہ ساز کی سی چابکدستی کے ساتھ بہت سے فراہم شدہ خام مواد کی مدد سے فورٹ ولیم کالج کے اساسی کردار کی بڑی حد تک واضح تصویر بنا کر ہمارے سامنے پیش کر دی ہے۔ سیاسی، مذہبی اور سماجی طور سے یہ ادارہ درحقیقت ہندوستانیوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح کی علامت تھا۔

اس ادارے کے ذریعے انگریزوں نے سیاست کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب کے اندر در آنے کی کوشش کی۔ عیسائی مشنری ان کے دوش بدوش تھے۔ اس سلسلے میں ہنگامے بھی بپا ہوئے جن میں ۱۸۰۴ء سے ۱۸۱۸ء تک ہونے والے ہنگامے خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان ہنگاموں کی جھلکیاں نہ صرف مشنریوں کی تصانیف میں ملتی ہیں بلکہ فورٹ ولیم کالج کے اندر ہندوستانی مصنفین کی تصنیفات کے دیباچوں میں بھی اس طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔

لیکن اس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس زمانے کے یورپی مستشرق علم و ادب کے میدان میں بھی اسی مذہبی اور تہذیبی عصبیت کے شکار رہتے تھے۔ عملی طور پر یہ لوگ عموماً تمام مشرقی علوم کے اور خصوصاً "اپنی تحقیق" کے موضوع کے بڑے وفادار تھے۔ وہ علم کی تحصیل کو سماجی تعصبات سے الگ کرکے دیکھتے تھے اور ان کی تحصیل کے لیے بڑی سے بڑی زحمت اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اہل یورپ کے مذہبی تعصب اور سیاسی جانبازیوں کے پیش نظر یہ مفروضہ بنا لیا گیا ہے کہ انھوں نے علمی میدان میں بھی تعصبات کو ہوا دی ہوگی۔ یہ بات کچھ بہت زیادہ درست نہیں ہے کم سے کم اس کا اطلاق انیسویں صدی کے علمی اداروں اور شخصیتوں پر بالکل عائد نہیں ہوتا۔ البتہ انیسویں صدی کی ابتدائی چوتھائی کے بعد سیاست اور تعصب کسی حد تک اس میدان میں بھی قدم جمانے لگے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی شعبے کے قیام کا بنیادی مقصد ہندوستان میں لسانی نفاق کو ہوا دینا تھا کچھ بہت زیادہ انصاف اور صداقت پر مبنی نہیں ہے۔ سچ تو یہ کہ اس وقت تک انگریزوں کے ذہن میں یہ بات آئی ہی نہیں کہ لسانی بنیادوں پر ہندوستانی تعصبات کو ہوا دی جا سکتی ہے یا ہندی اور اردو کو بنائے فساد بنایا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو یہ رنگ دیا ضرور گیا لیکن بہت بعد میں۔ گارساں دتاسی نے بھی تقریباً ۱۸۶۰ء کے بعد ہی یہ پیش گوئی کی کہ لسانی مسائل کے سلسلہ میں پیدا ہونے والے یہ اختلافات بعد میں وجہ فساد بن سکتے ہیں۔ اس وقت بھی یہ بات بیان واقعہ نہیں تھی صرف پیش گوئی کی حیثیت رکھتی تھی۔ فورٹ ولیم کالج میں کیپٹن ولیم پرائس کے ہندوستانی زبان کے پروفیسر مقرر ہونے سے پہلے اس طرح کے کسی بھی نفاق یا جانب داری کا پتہ نہیں چلتا۔

گل کرسٹ ہماری زبان و ادب کی تاریخ میں ایک قد آور شخصیت اور گراں قدر حیثیت کا مالک ہے۔ اس نے اردو و ہندی زبانوں کی نثری ترقی کے لیے انتہائی غیر جانب داری، عالمانہ ایمانداری اور بے لوثی سے جو کوششیں کیں اور جو زحمتیں اٹھائیں، یورپ میں علوم شرقیہ کی تحصیل کی تاریخ میں اس کی جگہ بہت بلند ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہی وہ محور تھا جس کے گرد فورٹ ولیم کالج کی لسانی پالیسی اپنے قیام کے وقت گھوم رہی تھی۔ علمی ایمانداری اور صداقت اس بات کی متقاضی ہے کہ ایسی گراں قدر علمی شخصیت کا غیر جانب دارانہ اور غیر متعصبانہ مطالعہ کیا جائے چاہے وہ شخصیت دشمنوں کے گروہ سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتی ہو۔ گل کرسٹ جیسا ذہین آدمی دیر قبول لوگوں کے زمانہ کی نبض پہچاننے والا اگر صرف حصول زر کی خاطر کوئی کام کرتا تو یقیناً اس وقت ہندوستان میں غیر ملکیوں کے لیے ایسے مواقع کی فراوانی تھی کہ وہ یہاں سے لکھ پتی ہو کر جا سکتا

تھا لیکن بیس بائیس سال کے عرصہ میں اس کی مالی حالت قابل لحاظ حد تک درست نہیں ہو سکی۔ وہ پریشانی جو اس نے حصول زر کی خاطر اٹھائی وہ بھی بیشتر کتابوں کی اشاعت کے صرفہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی اپنی آمدنی کا بڑا حصہ اس کی علمی دلچسپیوں پر صرف ہو جاتا تھا اور پھر اس کی تنخواہ بھی عربی فارسی وغیرہ کے پروفیسروں سے بہت کم تھی گل کرسٹ کی پیسے کے لیے جد و جہد در حقیقت ایک نظریاتی جنگ تھی وہ ہندوستانی کو تمام دیسی زبانوں سے زیادہ اہم خیال کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ کالج کی انتظامیہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ گرانٹ منظور کرے اور کالج کی انتظامیہ بھی اہمیت عربی فارسی کو دیتی تھی سنسکرت کی ترویج و اشاعت زیادہ تر ایشیاٹک سوسائٹی سے متعلق تھی یہی وجہ ہے کہ اس کے جانے کے بعد کالج میں ہندی، اردو میں تصنیف و تالیف کا کام برائے نام ہی ہوا۔ بغیر پوری طور سے چھان بین کیے حصول زر کی تمنا اور سیاسی چالبازیوں کے فضول الزامات عائد کر کے کسی بڑی علمی شخصیت کی تذلیل و تحقیر کرنا سنجیدہ تحقیق کے متوالوں کو زیب نہیں دیتا۔

اردو ہندی تنازعہ کی ابتدا کب ہوئی اس کے پیچھے کیا عوامل تھے یہ اختلافات ہندوستان کے کن گروہوں کے نظریات کی ترجمانی کرتے تھے۔ ملک کی سیاسی اور سماجی زندگی اور تاریخ میں ان گروہوں نے کیا رول ادا کیا ہے غیر ملکیوں نے ان اختلافات کو کس کس طرح ہوا دی اور کیسے ان سے فائدہ اٹھایا، کون سے گروہ ایسے تھے جنھوں نے ان اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی وہ سماجی اور سیاسی طور سے کن نظریات کے حامل تھے۔ ان تمام سوالات کا مطالعہ نہ صرف لسانی اور ادبی نقطہ نظر سے بلکہ انیسویں صدی کے صحیح تہذیبی اور سیاسی حالات کا تجزیہ کرنے کے پیش نظر بھی بے انتہا اہم ہے اور سنکڑوں کے لیے ایک لمحہ فکریہ بھی فراہم کرتا ہے۔ اس موضوع پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کے ایک ہی پہلو سے پردہ اٹھاتا ہے پوری تصویر کی نقاب کشائی نہیں کرتا۔

ان سوالات پر غور کرنے سے پہلے دونوں زبانوں کی ابتدا گزشتہ حالات اور ارتقا کی کڑیوں پر ایک اجمالی نگاہ ڈالنا بھی بہتر ہوگا۔

مشہور انگریز مستشرق اور سنسکرت کا عظیم عالم ہنری ٹامس کول بروک ۱۷۸۲ء میں بنگال سول سروس کے رائٹر کے عہدے پر فائز ہو کر کلکتہ پہنچا تھا۔ اس نے ۱۷۸۳ء میں اپنے گھر خط لکھا جس میں یہاں کی زبانوں کی وضاحت کرتے ہوئے ہندوستانی کے بارے میں اظہار خیال کیا کہ یہ ایک غیر تحریری زبان ہے۔ جناب شوکت سبزواری صاحب نے اس رائے کو زبان کے عصری حالات کی صراحت پر محمول کیا وہ کہتے ہیں " اس اقتباس سے ایک اور بات یہ دریافت ہوئی کہ کول بروک کی آمد کے وقت اردو صرف بول چال کی زبان تھی اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا"

یہ خط ۱۷۸۳ء میں لکھا گیا ہے ۱۷۸۳ء یعنی اواخر اٹھارویں صدی میں اردو کی جو حالت تھی اس کے بارے میں سبزواری صاحب جیسے محقق کی رائے کہ "اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا" خاصی تعجب خیز معلومات ہوتی ہے کیونکہ ۱۷۸۳ء وہ سال ہے جب سودا کی وفات ہوئے تین سال گزر چکے تھے میر حسن اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہے تھے ۱۷۸۶ء میں وہ بھی فوت ہو گئے میر تقی میر کی شہرت کا ڈنکا بج رہا تھا اور اردو کی ادبی و شعری حیثیت مسلم ہو چکی تھی۔

کسی محقق اور مورخ کے لیے وقت کے بہاؤ کا صحیح ادراک انتہائی ضروری ہے ورنہ اس قسم کی غلط تعبیریں زمانہ کے تدریجی ارتقا کے مختلف منازل کی تصویروں کو دھندلا کر دیتی ہیں۔

اردو داں حلقے میں ہندی کھڑی بولی کی ابتدا اور اردو ہندی کے ارتقا کے بارے میں بہت غلط باتیں کہی اور مانی جاتی ہیں مثلاً یہ کہ بعض لوگ ہندی کو اردو کی فارسیت یا درباریت اور عوام سے دوری کے خلاف احیا کی تحریک مانتے ہیں اور کچھ دوسرے ہندی کی ترویج کو اردو کے خلاف متعصبانہ تحریک گردانتے ہیں یہ دونوں ہی گروہ ہندی کھڑی بولی کی ابتدا کا زمانہ اٹھارویں صدی کے آخری چند سال یا انیسویں صدی کے اوائل کو سمجھتے ہیں، یہ دونوں ہی نظریات اسی طرح بے بنیاد ہیں جیسے اردو کو بیرونی زبان سمجھنا۔ احیا کی یا متعصبانہ تحریکیں ادب کی تاریخ میں تو اپنا ایک اہم مقام رکھتی ہیں لسانیات کی دنیا میں ان کا کہیں گزر نہیں ہوتا زبانیں نہ اس طرح پیدا ہوتی ہیں اور نہ اس طرح نشو و نما پاتی ہیں زبان کی کیفیت تو جنگلی درخت کی مانند ہوتی ہے بیج کو موافق زمین ملی وافر پانی ملا بیج سے کونپل پھوٹی اور درخت نشو و نما پانے لگا یہی کیفیت زبان کی ہے اردو اور ہندی دونوں زبانیں ان مختلف اور متضاد حالات کی ترجمانی کرتی ہیں جن میں سے ان کا گزر ہوا ہے عوامی سطح پر لغت اور قواعد کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے صرف رسم الخط کا فرق ہے ادبی اور علمی سطح پر یہ دونوں بحیثیت زبان کے بھی الگ الگ ہو جاتی ہیں اس تفریق کو اسلوب کی تفریق سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اردو اور ہندی میں شعری تصانیف کی تاریخ بہت پرانی ہے لیکن نثری تصانیف کا سلسلہ بھی تقریباً اٹھارویں صدی کے اوائل یعنی فورٹ ولیم کالج کے سو سال قبل سے شروع ہو چکا تھا اردو میں نثری داستانیں لکھی جاتی تھیں کچھ مذہبی کتابیں بھی تصنیف ہوئی تھیں۔ ہندی کو آریہ سماجیوں نے اپنے نظریات کے لیے ذریعہ

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

احساسِ کامراں

آفتاب شمسی

پیروں میں زنجیریں ڈالو
یا مجھ کو محبوس کرو
میں تو سویرے کا جویا ہوں
تاریکی سے جنگ کروں گا
راتیں ہے سمجھوتا کر لینا
میرے بس کی بات نہیں!

ایک ذرا سی میری تمنّا

اسرار اکبر آبادی

چلتے چلتے تھکے نہ پاؤں دنیا کیوں گھبرائے
ایک ذرا سی میری تمنا لاکھوں راگ جگائے
ابھی ابھی چنچل کرنیں رنگ رنگیلی بھور
پورب پچھم اتر دکھن پریم کی ریشم ڈور
نگری نگری بستی بستی من سے من مل جائے
مست پرندوں سے سب ڈولیں اور پون لہرائے
جیون کا اجیارا چھائے رنگ میں رنگ ملائے
ہریالی کا ہر اک منظر سب کی پیاس بجھائے
کھیتوں کھیتوں پنگھٹ پنگھٹ بادل اُڑتا جائے
چھیل چھبیلی گاؤں کی گوری جھینپے اور لجائے
دھرتی جاگے امبر جاگے جاگ اٹھے سنسار
وادی وادی جنگل جنگل جھرنوں کی جھنکار
آوازوں میں آوازیں ہوں گیت کو گیت سنائے
اونچے نیچے زم سروں کا گجرا بنتا جائے
ایک ذرا سی میری تمنا لاکھوں راگ جگائے

قطعات

افتخار احمد کیفی ناروی

مونسِ راحت انیسِ غم بھی بن سکتا ہوں میں
کارزارِ زیست میں ہمدم بھی بن سکتا ہوں میں
دیکھنے والے مجھے یوں بے نیازی سے نہ دیکھ
زخمِ دل کا وقت پر مرہم بھی بن سکتا ہوں میں

حوصلوں کو تیرے کر دیگا یہی وصف بلند
پیکرِ رنج و الم کر نہ تبسم سے گریز
یوں ہی منجدھار میں رکھ کشتیِ امید رواں
صاحبِ دل نہیں کرتے ہیں تلاطم سے گریز

ہندی کے بعد سب سے زیادہ تعداد اردو اخباروں کی ہے

اخباروں سے متعلق رجسٹرار کی ۱۹۶۴ء کیلئے سالانہ رپورٹ

نئی دہلی۔ ۲۴ر ستمبر۔ اخباروں کے رجسٹرار برائے ہند نے ہندوستان بھر کے اخباروں کے متعلق ۱۹۶۴ء کے لیے جو رپورٹ جاری کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ملک کی ۴۳ مختلف زبانوں میں ۸۱۶۱ اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ رپورٹ آج مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے پارلیمنٹ میں پیش کی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ۴۸۸۹ اخبارات کی کل اشاعت ۲ کروڑ سات لاکھ ۴۴ ہزار تھی جب کہ ۱۹۶۳ء کے دوران یہ اشاعت ۲ کروڑ ۲ لاکھ ۹۱ ہزار تھی۔ امسال پہلی مرتبہ سرکاری مطبوعات کے لیے ایک علیحدہ سیکشن قائم کیا گیا ہے رپورٹ میں دستور کے تحت ۱۴ زبانوں کے علاوہ دیگر ہندوستانی زبانوں میں شائع ہونے والے اخباروں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

دستورِ ہند کے نقشہ میں درج شدہ ۱۴ زبانوں کے علاوہ سندھی بھی پوری، پرتگالی، چینی اور کونکنی زبانوں میں بھی روزنامے شائع ہو رہے ہیں رسائل کی اشاعت امسال چند مزید زبانوں میں بھی ہوئی ہے جو ناگی ناگا، عربی بھوجپوری برمی، فرانسیسی، ہگارو، ہمارا ہندوستانی، انڈونیشی، کھاسی، کومرچم، لوشائی، میتھی، میتھلی، نیپالی، راجستھانی، سوراشٹری سنتھالی، سواحلی، پشتو، فارسی، پالی، تبتی، تنگ کھلی ناگا۔ اور تھاروں کو کی زبانیں ہیں۔

۱۹۶۴ء کے دوران ملک میں جو اخبارات و رسائل شائع ہوتے رہے ان میں ۵۱۴ روزنامے، ۴۶ ہفتہ میں تین بار شائع ہونے والے اور سہ روزہ اخبارات، ۲۳۱۱ ہفتہ وار، اور ۵۲۹۰ رسائل تھے گذشتہ سال کے مقابلہ میں ۱۹۶۴ء کے دوران روزناموں کی تعداد میں ۱۱ کا اضافہ ہوا۔ ہفتہ وار اخباروں کی تعداد میں ۱۴۸ کا، سہ روزہ اور ہفتہ میں تین بار شائع ہونے والے اخباروں کی تعداد میں ۳ کا اور رسائل کی تعداد میں ۲۱۵ کا اضافہ ہوا۔

کل ۵۱۴ روزناموں میں سب سے زیادہ تعداد ہندی اخباروں کی تھی جو ۱۴۹ ہے اردو دوسرے درجہ پر رہی اردو میں شائع ہونے والے اخباروں کی تعداد ۱۰۶ تھی۔ انگریزی تیسرے درجے پر تھی جس میں شائع ہونے والے روزناموں کی تعداد ۹۵ تھی امسالِ زیرِ تبصرہ میں جو نئے روزنامے جاری ہوئے ان میں بھی سب سے زیادہ تعداد ہندی روزناموں کی ہے جو دس ہے نئے روزناموں کی اشاعت میں بھی اردو دوسرے درجہ پر ہے اور اردو میں شائع ہونے والے نئے روزناموں کی تعداد ۶ ہے۔ (دعوت دہلی)

دی مغل حج

۱۔ بمبئی جدہ سے بحری جہازوں کی روانگی

ہم مسرت کے ساتھ حج ۱۹۶۶ء کے لیے بحری جہازوں کی روانگی کے عارضی پروگرام کا اعلان کرتے ہیں۔

قبل رمضان جہاز کی روانگی

ایس۔ ایس "مظفری" تقریباً ۱۰ دسمبر ۱۹۶۵ء کو روانہ ہوگا

بعد رمضان جہازوں کی روانگی

ایس۔ ایس "محمدی" تقریباً ۲۲ جنوری ۱۹۶۶ء کو روانہ ہوگا
" " "اسلامی" " ۲۸ " " " "
" " "مظفری" " ۵ فروری " " "
" " "محمدی" " ۱۱ " " " "
" " "اسلامی" " ۱۹ " " " "
" " "مظفری" " ۲۱ " " " "
" " "محمدی" " ۲۷ " " " "
" " "اسلامی" " ۳ مارچ " " "
" " "محمدی" " ۱۳ " " " "

قطعی تاریخوں کا اعلان مرچنٹ شپنگ ایکٹ ۱۹۵۸ء کے تحت ہر جہاز کی روانگی پندرہ روز قبل کیا جائے گا۔

۲۔ کرایہ جہاز: بمبئی/جدہ ۵ / اور جدہ / بمبئی کے سفر کا کرایہ حسب ذیل ہوگا۔

فرسٹ کلاس	کرایہ	خوراکی	محصول عام صفائی جدہ، کرایہ مکانات اخراجات زیارت مدینہ	مجموعی رقم
بالغان	[illegible] روپے	۱۶۰/۰۰ روپے	۸۴/۱۵ روپے	۱۴۱۹/۶۵ روپے
بچے ۳ تا ۱۲ سال	۵۶۸/۵۵ "	۸۹/۲۵ "	———	۶۹۷/۸۰ "
" ۱ تا ۳	۵۶۸/۵۵ "	———	———	۵۶۸/۵۵ "

"محمدی" اور "مظفری" میں دو برتھ والے دس دس کیبن ہیں جن کے ساتھ غسل خانہ ملا ہوا ہے ان کے لیے فرسٹ کلاس کے کرایہ کے علاوہ فی برتھ پچیس روپے دینے ہوں گے۔

ڈیک کلاس	کرایہ	خوراکی	محصول عام صفائی جدہ، کرایہ مکانات اخراجات زیارت مدینہ	مجموعی رقم
بالغان	۴۲۴/۲۰ روپے	۵۵/۶۵ روپے	۸۴/۱۵ روپے	۵۶۴/۰ روپے
بچے ۳ تا ۱۲ سال	۲۱۲/۱۰ "	۲۷/۸۰ "	———	۲۳۹/۹۰ "
" ۱ تا ۳	۲۱۲/۱۰ "	———	———	۲۱۲/۱۰ "

صرف واپسی ٹکٹ ہی جاری کئے جائیں گے

۳۔ پابندیاں حاجیوں کی عام صحت اور بھلائی کے پیش نظر حکومت ہند نے مندرجہ ذیل طبقوں کے اشخاص پر بعض پابندیاں عائد کی ہیں جنہیں حج پر جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ عازمین حج کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی درخواستیں پیش کرتے وقت ان پابندیوں کا بغور مطالعہ کریں۔

(الف) جن بچوں کی عمر پانچ اور چودہ سال کے درمیان ہوگی۔

(ب) جن لوگوں کے پاس ہندوستانی سکے میں نقد رقم آٹھ سو روپے سے کم ہوگی۔

(ج) جن لوگوں نے گزشتہ پانچ سال (۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۵ء) میں حج کیا ہے ایسے لوگوں کو حج بدل پر بھی جانے کی اجازت نہ ہوگی

(د) جن عورتوں کو جہاز پر سوار ہوتے وقت چھ ماہ یا اس سے زیادہ کا حمل ہوگا۔

(و) جو لوگ مندرجہ ذیل امراض یا معذو...
(۱) دماغی امراض (ب) تپ دق ...
متعدی قسم کے امراض اور حمل کی مدت کے ...
کہ وہ اپنی درخواستوں میں غلط بیانات د...

۴۔ نشستیں محفوظ کرانے کا طریقہ تمام د...
پر اپنا پاسپورٹ سائز کا فوٹو چسپاں کریں۔ اور ...
لیکن پردہ نشین خواتین اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک ...
ہر عازم حج کو علاحدہ علاحدہ درخواست کی دو ...
ان کی درخواست بھی علاحدہ فارم پر دونوں میں ہو...
بچے کی صحیح عمر درج ہونی چاہیے اور اس کی پیدائش کا ...
چاہیے کہ عازم حج نے اس سے پہلے بھی پچھلے پانچ سال ...
ہونا چاہیے کہ عازم حج صحت مند اور سفر حج کے ...
نام اپنی حروف میں ... ہو کا نام جنس ...
پیشہ ... مستقل پتہ گاؤں پوسٹ آفس ضلع ...
ساتھ کیا رشتہ ہے ... درخواست ...
اس کے ساتھ رشتہ ... رمضان سے پہلے سفر کرنا ...
روانگی ... دوسرا فوقیت کیا ہے جہاز کا نام اور ...
۱۵۔ ... رقم ڈیپوزٹ نمبر ...
... محفوظ ...

۵۔ سفر کے ریزرو...

(الف) ڈیک کلاس: ... درخواست ...
ہر بالغ کی درخواست کے ساتھ جس کی عمر ۱۲ اور ...
اور ایک تا تین سال کی عمر کے لیے ۲۱۲/۱۰ ...
۲۔ یہ رقم ... مغل لائن لمیٹڈ ... کے ...
جے بمبئی میں بھنایا جا سکے ... جسے ...
سہولت نہیں ہے خصوصی صورت میں ...
یا چیک کے ذریعہ کوئی رقم قبول نہیں کی ...
۳۔ حاجیوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ...
اس کے ساتھ کیا رشتہ داری ہے۔
لفافے کے اوپر بھیجنے والے کا نام عازمین حج ...
لازمی ہے یہ شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ حاجیوں ...

دی مغل لائن لمیٹڈ

بکنگ آفس: صابو صدیق مسافر خانہ کرناک روڈ فون نمبر ۲۶۱۸۶۸ تار کا پتہ: مغل بمبئی "...UL" BOMBAY

۵۔ کسی بھی علاقے کے اندر ساٹ سے زیادہ درخواستیں نہیں ہونی چاہیئں اور ایک علاقے کی درخواستیں ایک ہی ریاست کی ہونی چاہیئں اگر ایسا نہ کیا گیا تو درخواستیں مسترد کر دی جائیں گی۔

۶۔ جو حاجی پہلے حج کر چکے ہیں انھیں ان لوگوں پر فوقیت دی جائے گی جو پہلی بار حج کے لیے جا رہے ہیں اسی لیے انھیں اپنی درخواستیں علاحدہ علاقے میں جمع کرانی چاہیئں۔ یہ تجویز ہے اور اس کی پابندی سختی کے ساتھ کی جانی چاہیے

۷۔ جو درخواستیں نامکمل ہوں گی انھیں مسترد کر دیا جائے گا۔

۸۔ سفر کے لیے رجسٹریشن حکومت کے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق ہوگی۔ رجسٹریشن فوراً شروع ہو جائے گا۔ درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء مقرر کی گئی ہے۔

۹۔ سفر کے لیے رجسٹریشن ہو جانے کے بعد فارم کی شکل میں رسید جاری کی جائے گی جس پر جہاز کا نام اور رجسٹریشن نمبر درج ہوگا اس کے بعد ہر قسم کی خط و کتابت کی جائے اس میں اس نمبر کا حوالہ دینا چاہیے۔

۱۰۔ ڈیک کے عازمین حج کو چاہیے کہ وہ رسید (بی فارم) نہایت حفاظت کے ساتھ رکھیں اس لیے کہ بمبئی میں ٹکٹ اسی وقت جاری کیا جائے گا جب یہ رسید پیش کی جائے۔ عازمین حج کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ ذاتی طور پر ہمارے پلگرم بکنگ آفس پر آکر بی فارم پیش کریں۔ اس طرح ان کی شناخت بھی ہو سکے گی۔

زب فرسٹ کلاس: ۱۔ رجسٹریشن کا طریقہ وہی ہوگا جو ڈیک کلاس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ فارم درخواست مع نقل حلف نامہ اور میڈیکل سرٹیفکیٹ کے ساتھ کرانے کی ہوگی۔ فرسٹ کلاس ۱۲ سال سے زائد عمر کے ہر بالغ کے لیے [illegible] روپے ۳ ماہ کی عمر کے بچے کے لیے [illegible] روپے اور ۱۲ سال کی عمر کے بچے کے لیے ۵۵۰۰ روپے بھیجنا چاہیے۔

۲۔ فرسٹ کلاس کے ہر حاجی کو اپنے ساتھ ڈیک کے دو حاجی لے جانے کی اجازت ہوگی اور ان کی درخواست بھی اسی لفافے میں ہونی چاہیے لیکن ایک لفافے میں درخواستوں کی تعداد سات سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ ہر فرسٹ کے ساتھ دو ڈیک کے حساب سے فرسٹ کے دو حاجی اپنے ساتھ ڈیک کے چار حاجی لے جا سکتے ہیں اس لفافے میں فرسٹ کلاس کے ساتھ ڈیک کی ... میں چار سے زائد ہوں گی وہ مسترد کر دیا جائے گا۔

۳۔ ویٹنگ لسٹ: ڈیک یا فرسٹ کلاس کی ویٹنگ لسٹ کا الگ سے کوئی اعلان نہیں ہوگا لیکن جن حاجیوں کا نام ویٹنگ لسٹ پر آئے گا انہیں فرداً فرداً اطلاع دی جائے گی کہ صورت حال کیا ہے جن درخواستوں کو منظوری نہیں ہے ان میں سے ایک مخصوص تعداد کو ہر کلاس کی ویٹنگ لسٹ پر لے لیا جائے گا۔ جیسے جیسے ریزرویشن منسوخ ہوں گے ویٹنگ لسٹ کے حاجیوں کو ان کے نمبر کے اعتبار سے موقع دیا جائے گا اور متعلقہ حاجی کو اس کی اطلاع فوراً دی جائے گی۔

۴۔ ویٹنگ لسٹ کے حاجیوں کو پر زور مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ سفر حج کے انتظام کی امید میں بمبئی میں نہ آئیں۔ انھیں اسی وقت بمبئی آنا چاہیے جب کمپنی کی جانب سے سفر کا انتظام ہونے کی صورت میں کمپنی کوئی ذمہ داری قبول نہ کرے گی۔

۵۔ جو درخواستیں ویٹنگ لسٹ پر نہیں آسکیں گی انھیں لوٹا دیا جائے گا۔

کرایہ کی واپسی: تمام اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہمارے دفتر کے کاؤنٹر پر کوئی درخواست وصول نہیں کی جائے گی۔ تمام درخواستیں رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ہی ... جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہ درخواستیں ۵ اکتوبر کو یا اس سے پہلے پہنچ جانی چاہیئں۔ اس تاریخ کے بعد ہمارے دفتر کو جو بھی درخواست موصول ہوگی اسے لوٹا دیا جائے گا۔

۸۔ منسوخی: اگر کوئی عازم حج اپنی جگہ منسوخ کرانا چاہے اور اس کے لیے فرسٹ کلاس یا ڈیک کی جگہ مقرر کی گئی ہے اس کا فائدہ اٹھانا نہ چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ارادے کی اطلاع جہاز کی روانگی سے دس روز قبل کمپنی کو دے دے۔ اگر ایسا ذکر کیا تو کرایہ کی رقم واپس کرتے وقت اس میں سے دس فی صدی کاٹ لیا جائے گا۔ اسی طرح ویٹنگ لسٹ کے جن حاجیوں کے لیے جہاز میں جگہ کا انتظام ہو گا انھوں نے اگر اسے منسوخ کرانا چاہا اور اپنے ارادے کی اطلاع جہاز کی روانگی سے کم از کم دس روز قبل کمپنی کو نہ دی تو ان کے کرائے کی رقم کی واپسی کے وقت اس میں دس فی صدی رقم منہا کر لی جائے گی۔

۹۔ تاریخ تبدیل کرنے کی اجازت نہیں اور ریزرویشن میں ہیر پھیر نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ غیر ملکی باشندے: جو غیر ملکی باشندے حاجیوں کے جہاز میں بمبئی سے جدہ جانا چاہتے ہوں انھیں چاہیے کہ وہ ہندوستان میں مقیم اپنے ملک کے سفارتی نمائندے کی وساطت سے درخواست ... ان کے پاس ہندوستان کا ... ہونا چاہیے۔ اس میں ضروری اندراجات کے ساتھ سعودی عرب کا ویزا ہونا چاہیے ان کے پاس ہندوستان لوٹنے کا ویزا بھی ہونا چاہیے۔ ... کے لیے وہ جدہ سے بمبئی کے جہاز پر سوار ہو سکیں ایسے عازمین حج کو صرف ڈیک کلاس میں ... بشرطیکہ جہاز میں جگہ خالی ہو۔

۱۱۔ عازمین حج کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جدہ سے واپسی کے وقت جہازوں کی نشستوں کی تقسیم جدہ کے متعلقہ ... سفارت خانہ کے ذریعہ ترتیب وار ہوتی ہے یعنی جو حاجی جدہ پہلے پہنچتے ہیں انھیں واپسی کا موقع پہلے دیا جاتا ہے ... اس کے علاوہ ... کمپنی کو نہ بھیجیں۔

... لمیٹڈ

۱۹۹۶ء

... ہو جائیں گے۔

... وہ مستند ڈاکٹر سے ... متعدی امراض ...

... طبی معائنہ ہوگا۔ اس لیے عازمین حج کو چاہیے ... کرائیں۔

... کے لیے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ درخواست کے فارم کے ... ٹکیاں بھی کریں۔ فوٹو کی ضرورت نہیں ...

... سے فوٹو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔

... تاریخ پیدائش، قومیت ...

... ذیل ہوگا

... اس میں تمام تفصیلات کی خانہ پری کی جانی چاہیے۔

مغل لائن لمیٹڈ ... اسٹریٹ فورٹ بمبئی

ہیڈ آفس: ٹیلی فون نمبر ۳۸۰۲۲

صفحہ ۴ سے آگے

اشاعت ٹھہرایا مشابہت ۱۷۹۸ میں جو سن عیسوی میں تقریباً ۱۷۲۱-۱۷۲۲ سے مطابقت کرتا ہے ہندی یوگ وششٹھ کے نام سے ایک معرکۃ الآرا تصنیف منظر عام پر آچکی تھی۔ فورٹ ولیم کالج نے بلاشبہ ہندی اردو کی نثری ترقی میں بڑا حصہ لیا لیکن وہ صرف زبان کی صفائی ستھرائی تک محدود تھا۔ صدیقی صاحب اور دیگر محققین کی یہ رائے کہ گل کرسٹ اردو نثر کا جنم داتا اور بانی ہو مشابہت دور تک ساتھ نہیں دیتی نثری داستانیں لکھنے کی روایت کالج سے پہلے موجود تھی کالج میں بھی داستانوں اور قصے کہانیوں کی کتابوں پر ہی زور دیا گیا علمی اور تحقیقی کام سنسکرت اور خاص طور پر عربی فارسی زبانوں کے سلسلے میں کیا گیا۔ ہندی اردو کے سلسلے میں گل کرسٹ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایسے لوگوں کو بھی ان زبانوں کی طرف مائل کیا جو ان کو عمومی زندگی میں استعمال کرنا عار سمجھتے تھے حالانکہ وہ لوگ ان زبانوں کو سمجھنے اور ان کی قواعدی اور لغوی حیثیت کا تعین کرنے کے اہل تھے۔ ہندی کے سلسلے میں فورٹ ولیم کالج سے کہیں زیادہ کام سیرام پور کے مشنریوں نے انجام دیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج سے ان دونوں زبانوں میں علمی یا فنی موضوعات سے تعلق رکھنے والی شاید ہی کوئی کتاب نکلی ہو۔ اردو اور ہندی کی نثری ترقی تو درحقیقت انیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائیوں سے ملک کی سیاسی بیداری کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ گارساں دتاسی ۳ر دسمبر ۱۸۵۰ء کے خطبے میں ہندوستانی کے بارے میں کہتا ہے کہ "اب بجائے لوگوں کی معمولی روزمرہ کی زبان کے یا عوام پسند گیتوں کی زبان کے وہ گورنمنٹ کی سرکاری زبان ہو گئی ہے"...... آگے لکھتا ہے

"یہاں تک کہ ہندوستانی میں اب سائنس پر رسالے اور کتابیں بھی لکھی جانے لگی ہیں جو اب تک صرف فارسی میں لکھی جاتی تھیں ہندوستانی کی ان کتابوں میں سے جو حال میں شائع ہوئی ہیں بہت سی سائنس جغرافیہ قانون اور دوسرے علوم پر ہیں کچھ تو جدید تصانیف ہیں اور کچھ انگریزی کے ترجمے ہیں۔"

خطبات گارساں دتاسی مترجمہ سید راس مسعود

اردو جنوری ۱۹۲۳ صفحہ ۱۰

۱۸۳۵ سے پہلے جب سرکاری زبان کے سلسلے میں مباحث شروع ہوئے تو اس وقت اردو یا ہندی کا کہیں کوئی ذکر نہیں تھا۔ بمخاصمت عربی، سنسکرت اور انگریزی تھیں۔ اپنے مشہور مقالے مرحوم دلی کالج میں بابائے اردو دیسی زبانوں کی کس مپرسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "دیسی زبانوں کی بدقسمتی کا کچھ ٹھکانہ ہے ۱۸۳۵ء سے قبل تمام مدارس میں عربی فارسی سنسکرت کی تعلیم ہوتی تھی اور گورنمنٹ بھی پوری اس کی تائید پر تھی اور ساری توجہ اور محنت اسی پر صرف کی جاتی تھی اور دیسی زبانوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں تھا۔"

اردو جنوری ۱۹۳۳ صفحہ ۲۴-۲۵

لارڈ میکالے اپنی مشہور علمی یادداشت میں لکھتا ہے "اس بات پر تو ہر فریق کا اتفاق رائے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیسی زبانیں جو ہندوستان کے ان حصوں میں بولی جاتی ہیں ان میں نہ تو عام ادبی کتابیں ہیں نہ دیگر علوم طبعی بلکہ وہ ایسی مفلس اور گنواری ہیں کہ جب تک دوسری زبان سے مدد نہ لی جائے ان میں کسی اعلیٰ درجہ کی کتاب کا ترجمہ کرنا بھی دشوار ہے ہمیں اس وقت ناچار ایسی زبان کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ تعلیم اختیار کرنا پڑے گا مجلس تعلیمات کے نصف اراکین کی رائے ہے کہ یہ ذریعہ تعلیم انگریزی زبان ہونی چاہیے لیکن باقی نصف اراکین شدومد کے ساتھ سنسکرت و عربی کی سفارش کرتے ہیں اور میرے نزدیک اصلی فیصلہ طلب امر یہی ہے کہ ان تینوں میں کونسی زبان سیکھنی سب سے مفید اور مناسب ہوگی" صفحہ ۲۳

میکالے کی یادداشت متعلق تعلیم پر
مترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب

اردو جنوری ۱۹۲۲

اس یادداشت میں سنسکرت اور عربی کو ملکی اور انتظامی ضرورتوں کے لیے ناکافی قرار دے انگریزی کو سرکاری اور دفتری زبان بنانے کی سفارش کی گئی تھی یہ یادداشت ۲ر فروری ۱۸۳۵ کو مجلس تعلیم عامہ کے سامنے پیش کی گئی۔ اور دوسرے سال سات مارچ کو گورنمنٹ نے اسی یادداشت کی بنیاد پر رزولیوشن جاری کیا کہ ہندوستانیوں کو انگریزی زبان کے ذریعہ سے انگریزی ادب اور سائنس کی تعلیم دی جائے۔

بابائے اردو کلکتہ یونیورسٹی تعلیمی کمیشن پر

اردو جولائی ۱۹۲۲ صفحہ ۴۲۲

اسی رزولیوشن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ گورنمنٹ نے انگریزی کو صرف اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنانا منظور کیا تھا ابتدائی تعلیم کے لیے دیسی زبانوں کو کافی سمجھ لیا گیا تھا۔

بابائے اردو کے متذکرہ بالا مقالہ مرحوم دلی کالج سے یہ بھی معلوم ہے کہ اس حکم کے اجرا پر بڑا ہنگامہ مچا "ہندوستانیوں کے علاوہ علوم مشرقیہ سے دلچسپی رکھنے والے یورپی علما نے اس کی شدید مخالفت کی مخالف گروہ کی نمائندگی گورنر جنرل کی کونسل کا ایک ممبر مسٹر ہنری پرنسپ کر رہا تھا۔ یہ ایشیاٹک سوسائٹی کے اعلیٰ عہدے داران میں سے تھا اور مشرقی علوم سے بڑی گہری اور شدید لگن رکھتا تھا کونسل میں پرنسپ اور میکالے میں بہت

تیز اور سخت بحث ہوئی ایشیاٹک سوسائٹی کی صد سالہ تاریخ سے جو ۱۸۸۴ء میں سوسائٹی کی صد سالہ سالگرہ پر مرتب کی گئی تھی مندرجہ بالا واقعات کی تائید ہوتی ہے۔

ڈاکٹر لکشمی نرائن گپت نے مذکورہ ہنگامے کو دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھا ان کی رائے ہے کہ اردو اور ہندی میں سے ہندی کو ابتدائی درجوں میں ذریعہ تعلیم بنانے کے واسطے منتخب کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے "ہندی زبان وادب کو آریہ سماج کی دین" کے نام سے ایک مقالہ لکھنؤ یونیورسٹی میں پیش کیا ہے۔ اس میں تمہید کے طور پر ہندی اردو تنازعہ کا بھی اجمالی سا جائزہ لیا گیا ہے اس تمہید میں وہ کہتے ہیں کہ ۱۸۳۶ء میں دفتروں میں پہلے ہندی کو جگہ دی گئی لیکن پھر مسلمانوں کے "گھور پرشرم کے پھل سوروپ" سرکار نے "بنا سوچے سمجھے وچار کیے" ایک سال بعد ہی سن ۱۸۳۷ء میں دفتروں کی زبان اردو کر دی انھیں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یونیورسٹیوں کے قیام کے بعد ہندی کو لازمی مضمون کی حیثیت دینے کے سوال پر بھی مسلمانوں نے بڑی واویلا مچائی تھی۔ یہ بیان خاصہ یک طرفہ ہے لیکن کم سے کم اس سے یہ ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ اسی زمانہ کے قریب قریب سے ہی ہندی اردو کا تنازعہ سیاسی سطح پر شروع ہوا تھا بہرحال یہی وہ زمانہ ہے جب سے اردو اور ہندی میں علمی سیاسی اور فنی موضوعات سے تعلق رکھنے والی کتابوں کی تصنیف کا عمل تیز تر ہوا۔

دراصل فورٹ ولیم کالج کا ہندوستانی شعبہ گل کرسٹ کی لسانی پالیسی کی وجہ سے اردو ہندی کے ارتقا کی تاریخ میں بڑا اہم ہے۔ اٹھارویں صدی کے اواخر تک انگریزوں یا اہل یورپ نے اردو اور ہندی کو دو مختلف زبانوں کی حیثیت سے نہیں دیکھا تھا وہ اس کو دو رسم الخطوں میں لکھی جانے والی ایک زبان کی حیثیت دیا کرتے تھے۔ گل کرسٹ بھی انھیں نظریات کا حامل تھا۔ اس نے ہندوستانی براہ راست عوام سے تحصیل کی تھی۔ عوامی سطح پر یہ فرق اور بھی کم تھا۔ ایک زبان کا دو رسم الخطوں میں لکھا جانا اس کو بہت عجیب و غریب معلوم ہوا۔ جگہ جگہ اس نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے ادبی اور درباری سطح پر اس نے اس فرق کو اسلوب کے فرق سے تعبیر کیا اردو ہندی کی تاریخ میں وہ پہلا شخص تھا جس نے ان دونوں اسلوبوں کو قریب تر لانے کی کوشش کی۔ اس نے تمام کتابیں اس زبان میں لکھوائیں جو ہندو مسلمان خاص و عام بولتے چالتے تھے۔ اس کے لیے اس نے یہ طریقہ ایجاد کیا کہ ہندی اور اردو کے منشیوں کو ایک کتاب کا ترجمہ کرنے میں ایک دوسرے کا مددگار بنایا اور ایک ہی زبان کو حتی الامکان ناگری اور نستعلیق رسم الخط میں لکھوایا ہندی کہانیاں بیتال پچیسی وغیرہ اردو میں شائع کیں اور مسکین کا مرثیہ ناگری میں شایع کیا۔ یہ عمل نہ صرف ادبی اور لسانی اعتبار سے اردو ہندی کو قریب لانے والا تھا بلکہ تہذیبی سطح پر ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کرتا تھا بہت عرصہ بعد راجہ شیو پرشاد ستارۂ ہند نے اس عمل کو اپنی تصانیف کے ذریعہ سرانجام دینے کی کوشش کی۔ اگر گل کرسٹ کی یہ تحریک ادبی سیاسی اور تہذیبی سطح پر کامیاب ہو جاتی تو غالباً صورت حال یہ نہ ہوتی جو آج ہے۔

لیکن مذہبی اعتبار سے خود گل کرسٹ بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا وہ کٹر عیسائی تھا اور عیسائی مبلغین کا دوست اور تبلیغی تحریک کا ہمدرد۔ وہ ہندو مسلم دونوں مذاہب کو ایک آنکھ سے دیکھتا تھا لیکن وہ ایک آنکھ خالص دشمنی کی تھی۔ وہ دونوں مذاہب پر برابر سے ضرب مارنے کے درپے رہتا تھا۔ خود اس کے اشتعال کا قصہ بھی اسی نوعیت کا تھا قرآن شریف کا جو ترجمہ اس نے کرایا تھا اس میں اس کی نیک نیتی شامل نہیں تھی۔

ایک اور بات بھی فورٹ ولیم کالج کے بارے میں اکثر کہی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں اردو اور ہندی کے دو شعبے قائم ہوئے یہ بات اب بہت فرسودہ ہو چکی ہے اور صدیقی صاحب کی تصنیف سامنے آنے کے بعد اس پر بحث کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔

مراسلات

عشق نامہ منظوم کیا اسیر لکھنوی کی تخلیق ہے؟

۲۲ر جون ۱۹۶۵ء کے ہماری زبان میں عشق نامہ منظوم کے بارے میں ایک استفسار چھپا تھا۔ مجھے اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنا ہیں وہ یہ کہ "عشق نامہ" واجد علی شاہ نے فارسی نثر میں ۱۲۶۵ھ کے لگ بھگ لکھا تھا جس کا اردو نثر میں ترجمہ فدا علی خنجر نے محل خانہ شاہی کے نام سے ۱۹۲۶ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے شائع کیا تھا اور عشق نامہ منظوم متذکرہ بالا کتاب کا منظوم اردو ترجمہ ہے جس کا شمار جناب سید مسعود حسن صاحب ادیب نے واجد علی شاہ کی مثنویوں میں کیا ہے[1]

زمانہ کانپور (جولائی ۱۹۱۰ء) میں فاضل لکھنوی کا ایک مضمون "اسیر لکھنوی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس میں عشق نامہ کو اسیر کی تخلیق بتایا گیا ہے۔ فاضل صاحب کا بیان ہے کہ آفتاب الدولہ خواجہ اسد قلق[2] اس روایت کے ناقل ہیں کہ

"واجد علی شاہ نے ایک مثنوی مسمیٰ بہ عشق نامہ اسیر سے کہلوائی اور اس کو باتصویر خوشنویسوں سے لکھوایا جب یہ مثنوی بادشاہ کے حضور میں پیش ہوئی تو جن صفحات پر تصاویر تھیں ان میں چند چند اشعار کی جگہ خالی تھی بادشاہ نے دیکھ کر کہا کہ ان کو اشعار سے بھر دینا چاہیے اسیر نے عذر کیا کہ اب سب قطعے اپنی جگہ پر تمام ہو چکے ہیں یہ جگہیں بھرنا آسان نہیں مگر بادشاہ نے نہ مانا اور کہا جس طرح ہو سکے میرے سامنے بھر دیجئے۔ اسیر نے مودبانہ عرض کیا کہ لباس درباری میں جہاں پناہ کے سامنے بیٹھ کر موزوں کرنا خالی از دقت نہیں۔ مجھے اجازت ہو کہ دوسرے کمرہ میں بیٹھ کر فکر کروں۔ یہ استدعا منظور ہوئی اور کتاب کی جلد توڑ کر قطعے خوشنویسوں کو الگ الگ دیدیئے گئے۔ اسیر ہر قطعے کے سلسلہ میں اشعار موزوں کرتے جاتے تھے اور خوشنویس ان کو قلم بند کر رہے تھے۔ دوران نظم میں بادشاہ ذرا دیر بعد کمرہ میں تشریف لاتے اور فرماتے کہو کتنے شعر کہے ہیں۔ بادشاہ ان اشعار کو سن کر محظوظ ہوئے اور ان کی داد دی۔۔۔۔۔"

میں نے اس سلسلہ میں جناب مسعود حسن صاحب رضوی سے بات کی اور مندرجہ بالا حوالہ کا تذکرہ کیا تو موصوف نے اس مضمون سے اپنی لاعلمی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ "واجد علی شاہ کی داستانی مثنویوں کے بارے میں تو یہ مسلم ہے کہ وہ خود بادشاہ کی کہی ہوئی ہیں ہاں "عشق نامہ منظوم" کے بعض حصے ایسے شاعرانہ ہیں کہ شک ہوتا ہے کہ یہ واجد علی شاہ کی تخلیق نہیں ہیں"

اب تک "عشق نامہ منظوم" کے صرف دو مطبوعہ نسخے دستیاب ہو سکے ہیں۔ ایک جناب مسعود حسن صاحب کے کتب خانہ میں اور دوسرا بھوپال میں محفوظ ہے اور اتفاق سے یہ دونوں نسخے ناقص الطرفین ہیں۔ جس سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس کی تخلیق ہیں، کہاں چھپے اور سال اشاعت کیا ہے۔

لہٰذا جب تک اس مثنوی کا مکمل مطبوعہ یا قلمی نسخہ دستیاب نہ ہو جائے اسے واجد علی شاہ سے منسوب کرنا بڑی غلطی اور اسیر کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ جناب مسعود حسن صاحب اس سلسلہ میں اپنے وضاحتی بیان سے قارئین کو مستفید فرمائیں گے۔

ڈاکٹر سید سلیمان حسین
(شہنشاہ بلڈنگ۔ نخاس، لکھنؤ)

عشق نامہ منظوم کی تحقیق کے سلسلے میں

ہمارے زبان کے شمارہ ۲۶ جلد ۲۴ مورخہ ۸ر جولائی ۱۹۶۵ء کے صفحہ ۸ پر جناب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں "واجد علی شاہ کی ایک مثنوی کے بارے میں" عنوان کے تحت چھٹی سطر پر لکھا ہے "۔۔۔ خواجہ محمد ولی جان عاصی نے خاقان سرور"۔۔۔۔ ۔۔۔ میں نے یہاں لفظ خاقان کے نیچے ایک خط کھینچ دیا ہے۔

اب ملاحظہ ہو صفحہ ۸ کا دوسرا کالم "عشق نامہ منظوم" کے تحت پانچویں اور چھٹی سطروں میں اسی مصنف کے نام سے "انتخاب سرور" کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیا یہ سہو کتابت ہے یا محمد ولی جان عاصی کی دوسری تصنیف ہے یہ بھی اور امید کہ آئندہ کی اشاعت میں اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔

(بادل صدیقی)

[1] لکھنؤ کا شاہی اسٹیج ص۱۱

[2] خواجہ اسد علی نام قلق تخلص۔ واجد علی شاہ کے درباری شاعر تھے صاحب تاریخ ادب اردو کا بیان ہے کہ خود کو بادشاہ کا شاگرد بتاتے تھے ۱۲۹۶ھ میں انتقال ہوا۔

شاخ اوجین کی سرگرمیاں

انجمن ترقی اردو شاخ اوجین کی جانب سے مہاراج باڑہ ہائر سکنڈری اسکول اوجین میں نویں کلاس میں سہ لسانی فارمولے کے تحت ابتدائی اردو کی پڑھائی بند کرنے پر ایک میمورنڈم ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر کو پیش کیا گیا۔ انھوں نے یکم ستمبر کو ڈیپوٹیشن سے ملاقات کے بعد پرنسپل کو حسب سابق اردو کی تعلیم جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ انجمن اس کے لیے شکرگزار ہے۔

انجمن کی کوششوں سے مادھو کالج اوجین کی ورکنگ مینس کلاس Working Mens Class میں بی۔ اے میں اردو بطور اختیاری شروع کردی گئی ہے جس کے لیے پروفیسر یونس حسنی صاحب کا بھوپال سے تقرر ہوگیا ہے۔ ایم اے اردو کلاس کے لیے کوشش جاری ہے اور توقع ہے کہ اگلے تعلیمی سال سے اس کی بھی ابتدا ہو جائے گی۔

گنیش اسٹوڈینٹس سول ہاسپٹل کی جانب سے ایک صوبائی مشاعرہ زیر صدارت سلطان احمد صدیقی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) منعقد ہوا۔ صدر نے ہنگامی حالات اور جنگ کے موقع پر شاعروں کو قوم میں بیداری اور جوش پیدا کرنے کے لیے نظمیں لکھنے کی تلقین کی۔ مادر وطن کے لیے شاعروں اور ادیبوں بالخصوص اردو شاعروں کی سابقہ خدمات کا اعتراف کیا۔ ان کی جانب سے پورے تعاون کا سرکار کو یقین دلایا کہ وہ ہر کسی قربانی کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد شعرا نے حب الوطنی سے لبریز قومی غزلیں سنا کر داد حاصل کی۔

(سلطان احمد صدیقی جنرل سکریٹری شاخ اوجین)

یوپی میں اردو کا علاقہ کوئی نہیں

وزیر اعلا یوپی کا بیان

لکھنؤ ۹ ستمبر جن سنگھی ممبر شری ہربنش کمار گنگوار کے ایک سوال کا تحریری جواب دیتے ہوئے آج یوپی اسمبلی میں وزیر اعلا کی جانب سے بتایا گیا کہ اتر پردیش میں کوئی اردو کا علاقہ نہیں ہے اور نہ ایسی کوئی ہدایت حکومت کی جانب سے کی گئی ہے البتہ اتر پردیش میں ایسے اضلاع ہیں جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد ۱۵ فیصدی ہے وہاں اہم سرکاری قواعد و ضوابط قوانین نوٹس، اشتہارات اور کتابیں جن کا تعلق عوام سے ہے اردو میں شائع کیے جاتے ہیں۔

انھوں نے بتایا کہ اس سلسلے میں پہلے رام پور، بجنور، بریلی، مراد آباد، سہارنپور، مظفر نگر اور لکھنؤ شہر کو اس فہرست میں لیا گیا تھا جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد ۱۵ فیصد ہے ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی بنیاد پر اس فہرست میں میرٹھ، پیلی بھیت اور لکھنؤ ضلع کو بھی شامل کیا گیا ہے کیونکہ یہاں بھی ۱۵ فیصد اردو بولنے والے ہیں اور ان مقامات پر بھی یہی سہولتیں دی گئی ہیں جو اور دیگر اضلاع میں اردو بولنے والوں کے لیے دی گئی ہیں۔

(قومی آواز)

بزم ادب دہلی کالج کی ایک میٹنگ

دلی ۷ ستمبر بزم ادب دلی کالج کی جانب سے یادگار زمانہ شخصیتوں کی یاد میں ایک نشست "دلی جو ایک شہر تھا" کے نام سے منعقد ہوئی جناب نور الدین احمد (میئر دلی کارپوریشن) نے اس نشست کی صدارت فرمائی اور جناب لالہ شام ناتھ صاحب (ڈپٹی منسٹر ریلوے) نے افتتاحیہ تقریر کی۔

جاوید وششٹ صدر شعبۂ اردو دلی کالج نے معزز مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے بزم ادب دلی کالج کی ادبی خدمات کا ذکر کیا انھوں نے کہا کہ یہ ادارہ اردو دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء کے بعد دلی کالج کا جدید دور شروع ہوتا ہے جس کے بانی اور روح رواں جناب مرزا محمود بیگ صاحب ہیں۔ جاوید صاحب نے شعبہ کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے پچھلے پانچ سال میں اس ادارے نے تصنیف و تالیف کا جو کام کیا ہے اس کا خلاصہ پیش کیا۔

مرزا محمود بیگ صاحب نے اپنی تقریر میں دلی کی تہذیب کو دہرایا، اپنے ماضی کو یاد کیا اور سامعین کو اپنی پرلطف تقریر سے لطف اندوز فرمایا۔ جناب خواجہ حسن ثانی نظامی نے دلی کی تہذیب کو اجاگر کرتے ہوئے ایک روح پرور تقریر فرمائی اور جناب سید ضمیر حسن دہلوی نے اپنا مقالہ "دلی والے" دلی کی مخصوص زبان میں پیش کیا۔

اس کے علاوہ سلمیٰ قریشی نے داغ دہلوی کی غزل اور استاد ہلال نامی لیکچرر ٹیچرز ٹریننگ کالج جامعہ نے مرثیۂ دلی پڑھا۔

سید جعفر عباس رضوی

(سکریٹری بزم ادب دلی کالج دلی)

پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام مشاعرہ

پنجاب یونیورسٹی نے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن کا جنم دن منایا

چنڈی گڑھ، پنجاب یونیورسٹی نے صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن کے جنم دن کے سلسلے میں ایک عظیم الشان اردو مشاعرہ زیر صدارت ڈاکٹر رام چند رپال ڈین آف دی یونیورسٹی انسٹرکشن منعقد کیا۔ مشاعرہ کے کنوینر اور مقامی انجمن ترقی اردو

ہندی کے صدر ڈاکٹر ست پرکاش سنگھ نے افتتاحیہ تقریر کرتے ہوئے اردو کا پنجاب سے دیرینہ تعلق ثابت کیا اور اس زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے ہندی کے مطالعہ کو ضروری قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہندی اور اردو میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ آپ نے چند لوگوں کی اس دلیل کی تردید کی کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اردو کے ہندو شعرا اور ادبا کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سنگھ نے کہا کہ اردو زبان کی تاریخ ہندو شعرا اور ادبا کو نظر انداز کر کے مکمل نہیں ہو سکتی۔

میر مشاعرہ کے فرائض جناب نریش ایم۔ اے۔ نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام فرمائے۔ مقامی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری کی حیثیت سے آپ نے یہ اعلان بھی کیا کہ ہم نے یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے اردو کی مفت تعلیم کا انتظام کر دیا ہے۔ مشاعرہ میں پنجاب کے مشہور شعرا حضرات نے شرکت کی۔

کنوینر مشاعرہ کمیٹی
(پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ ۳۰)

محبانِ اردو سے اپیل

دنیائے ادب میں میر ببر علی انیس اور مرزا سلامت علی دبیر کی بلند شخصیتیں محتاج تعارف نہیں ہیں۔ ان دونوں مسلم الثبوت عظیم شاعروں نے اپنے مرثیوں سے اردو ادب کو مالا مال کر دیا۔ نیز اپنی منفرد اور ممتاز شاعری سے "بگڑا شاعر مرثیہ گو" کی پرانی کہاوت کو باطل کر کے دکھا دیا۔ یہ دونوں ہمعصر باوجود ادبی نوک جھونک کے ایک دوسرے پر جان فدا کرتے تھے اور ان کا کلام آج تک مثلِ آفتاب و ماہتاب اردو ادب کی دنیا کو منور کیے ہوئے ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ فن اور فکر کی رفعت میں ان سے قبل اور ان کے بعد کا کوئی مرثیہ گو ان کا مماثل نہ ہو سکا۔ زبان کی پاکیزگی نیز اپنی فکر اور اپنے فن کے کمالات کی بلندی سے انھوں نے صرف ایک نئے طرز کی تخلیق ہی نہیں کی بلکہ شاعری میں وہ عظیم انقلابی کارنامہ انجام دیا جس کی اردو ادب کی تاریخ میں بلا شک و شبہ کوئی مثال نہیں ملتی۔ جو جواہر پارے وہ چھوڑ گئے ہیں وہ اردو ادب پر یقیناً ایک ناقابلِ فراموش احسان ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے اگر اس نازک ترین دور میں جب کہ مخالفین اردو ہماری اس محبوب ترین زبان کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ہم ان دونوں کا بے محل مقابلہ کر کے یا یہ کہہ کے کہ وہ صرف مرثیہ گو تھے انھیں گرانے کی کوشش کریں۔ دراں حالیکہ شاعری کی کونسی ایسی صنف ہے جو ان کے کلام میں موجود نہیں ہے۔

خدائے سخن مرزا سلامت علی دبیر کی پوری زندگی مدحِ اہلبیتؑ اور ادب کی خدمت میں گذری۔ بقول فراق گورکھپوری "دبیر کا ذخیرۂ کلام اتنا بڑا ہے کہ عام پڑھنے والے اس بحرِ ذخار کی پیراکی نہیں کر سکتے۔"

بحیثیت ایک انسان کے بھی دبیر کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

افسوس ایسے عظیم شاعر اور بلند کردار انسان کی ہم اب تک کوئی یادگار قائم نہ کر سکے۔

اب جب کہ ہم سب کی متحدہ کوششوں سے مقبرۂ انیس اور ان کے مکان کی مرمت قریب تکمیل ہے یہ بہت ناانصافی ہوتی اگر دبیر کی یادگار قائم کرنے کے لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جاتا۔ اسی کو محسوس کرتے ہوئے "یادگار انیس کمیٹی" کے چند سرگرم کارکنوں نے ۲۰ر جنوری ۱۹۷۶ء کو "ادارہ یادگار دبیر" کی بنیاد ڈالی اور ۱۷ر اگست ۱۹۷۶ء کو یہ ادارہ رجسٹرڈ ہو گیا۔ ۲۱ر جون ۱۹۷۶ء کو ادارہ کی جانب سے "یوم دبیر" بہت شاندار طریقہ پر منایا گیا۔ جس کی چار نشستیں ہوئیں۔ مرزا دبیر کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ اور "یوم دبیر" کی مختصر کارروائی ادارہ کی جانب سے طبع کرا دی گئی ہے جس کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ دبیر کا کلام تقریباً مفقود ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کی سعی کی جا رہی ہے کہ مرحوم کے غیر مطبوعہ کلام کی طباعت کا سلسلہ ادارہ کی جانب سے قائم رہے۔ اور یہی ان کی سب سے بڑی یادگار ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(الف) مرزا دبیر کے مکانات کو حاصل کر کے انھیں ایک قومی یادگار کی حیثیت سے محفوظ رکھنا (ب) فراہمی سرمایہ کے بعد مرحوم کا مقبرہ اور ان کے نام سے ایک ہال تعمیر کرنا (ج) اگر مکانات حاصل نہ ہو سکیں تو کسی نمایاں پبلک مقام پر مرحوم کا میموریل تعمیر کرنا (د) دبیر کے نام سے اکیڈیمی، دار المطالعہ اور کتب خانہ قائم کرنا۔

حامیانِ اردو اور ادب نواز حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ان عظیم مقاصد کو کامیاب بنانے میں ادارہ کی درمے، قدمے، سخنے امداد فرمائیں۔

خدائے سخن مرزا سلامت علی دبیر کی ابدی خوابگاہ مرحوم کے مکان کے ایک شکستہ کمرے میں (کوچہ مرزا دبیر محلہ نخاس، لکھنؤ) واقع ہے اسی کمرے میں ان کے ... رفیع اور دیگر افراد خاندان دبیر بھی دفن ہیں۔

اراکین ادارہ یادگار دبیر (رجسٹرڈ) فون ۲۷۱۵۲
دفتر کا پتہ ۱۸۸ کاشانۂ خورشید کوچہ دبیر جاگیر نخاس لکھنؤ

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوایا اور پبلشر نذر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا